© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولنا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸ | ماہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء مطابق جمادی الاخری سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۴

جمع و ترتیب قرآن

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۲)

رہا دوسرا مسئلہ یعنی سورتوں کی ترتیب ——— سچی بات تو یہی ہے کہ یہ کوئی اہم مسئلہ ہی نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک مصنف کی چند کتابیں آپ کے پاس ہیں آپ چاہتے ہیں کہ ان متفرق رسالوں کو ایک جگہ جمع کرکے جلد بندھوالیں آپ کو اختیار ہے کہ جلد بندی میں ان رسالوں میں سے جس رسالے کو چاہیے بعد کو رکھئے۔ مثلاً مولانا شبلی کی کتابوں کو کوئی ایک جگہ مجلد کرانا ہے اگر وہ المامون کو پہلے اور الفاروق کو اس کے بعد یوں ہی ان کی مختلف کتابوں کو مرتب کرکے جلد بندھوالے تو واقعات اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ یہی حال قرآنی سورتوں یا رسالوں کا ہے کہ ہر ایک کی حیثیت ایک مستقل رسالہ کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شیرازہ میں منسلک ہوکر مصحف کی شکل انھوں نے اختیار نہیں کی تھی بلکہ عموماً صحف یعنی الگ الگ رسالوں کی صورت میں تھے اور ٹھیک جیسے اس زمانہ میں بھی کوئی مصنف اپنی کسی کتاب کو سفید دبیز کاغذ پر کسی کو بادامی رنگ کے کاغذ پر کسی کو ڈبل سائز پر کسی کو متوسط سائز پر الغرض کماً وکیفاً مختلف قسم کے کاغذ پر طبع کراتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی سورتوں یعنی متعدد رسالوں یا کتابوں میں سے بعض کتاب کو لخاف پر لکھواتے تھے۔ بعض کو عسیب پر، بعض کو رِق پر، بعض کو رقاع پر، لیکن یہ کیا چیزیں تھیں؟ تعجب کی بات ہے ہوش و حواس رکھنے والوں نے یہ کیسے یقین کرلیا کہ کسی بن گھڑے پتھر پر یا ناتراشیدہ کُندوں یا کھجور کی شاخوں، یا یوں ہی کسی ہڈی یا کھال وال پر آخر لکھا کیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا تھا۔ آج بھی کسی بن گھڑے پتھر یا لکڑی یا ہڈی کو اٹھا کر اس پر لکھنے کی کوشش کیجئے اس میں حرف آخر کس طرح ابھریں گے جب تک وہ خاص طور پر ہموار کر کے لکھنے کے قابل نہ بنائی جائے۔ لغت اور عرب جاہلیت کی تاریخ پر لوگوں کی نظر ہوتی تو شاید ایسا نہ سمجھتے۔ واقعہ یہ ہے کہ لخاف دراصل سفید پتھر کی پتلی پتلی چکنی چوکھونٹی تختیوں کو کہتے تھے جو خاص کر اہم وثائق کے لکھنے کے لئے عرب میں بنائی جاتی تھیں۔ ان پر لکھنے کیلئے خاص قسم کے قلم اور خاص قسم کی روشنائی ہوتی تھی۔ اور یہی حال عسیب کا تھا۔ جو کھجور کے شاخوں کی جڑ کے پاس چمڑے کے جیسی ایک چیز ہوتی ہے اس کو گوندو وندھ کر چکنا کرتے تھے اور لکھنے کے قابل بناتے تھے۔ یوں ہی ہرن اور شتر مرغ کی کھالوں یا اونٹ کی بعض خاص مقام کی ہڈیوں یا لکڑی کے تختوں کو لکھنے کے کام کا لوگ خاص طور پر بناتے تھے۔ معمولی چیزیں تو کاغذ اور قرطاس وغیرہ پر لکھی جاتی تھیں لیکن جب کوئی اہم بات ہوتی تو اس کیلئے یہی چیزیں استعمال ہوتی تھیں۔ قرآن سے بڑھکر اہم چیز کیا ہو سکتی ہے اسی لئے اس کے مختلف رسالوں یا سورتوں کو ان ہی اہم دستاویزی مواد پر لکھوایا گیا تھا اور تمام رسالوں کو از اول تا آخر مکتوبی شکل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل کرا دیا تھا۔ پھر صحابہ میں سے بعض لوگ حسب ضرورت اس کی بکثرت نقلیں لے لیکر اپنے اپنے پاس رکھتے تھے۔ بعضوں نے کل رسالوں کو نقل کر لیا تھا اور بعضوں کے پاس کل رسالے نہ تھے جیسے کسی کے پاس مولوی شبلی صاحب کی کل کتابیں ہوں اور کسی کے پاس کل نہ ہوں۔ لیکن بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان رسالوں کی شیرازہ بندی کے متعلق کوئی خاص پابندی نہ تھی۔ جس کا جی چاہتا تھا جس رسالہ کو مقدم و موخر کر کے اپنے پاس رکھ لیتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً قرآن کا یوں ہی ورد فرمایا کرتے تھے اور ہر سال جبریل امین نازل شدہ قرآن کو آپ سے رمضان میں سن لیا کرتے تھے اور سال وفات والے رمضان میں تو دو دورے جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے، اس وقت تک تقریباً اکثر رسالے، یا قرآن کی سورتیں کہئے مکمل ہو چکی تھیں ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص ترتیب ہی سے جبریل علیہ السلام کو سناتے تھے۔ اس رمضان کے بعد بہ مشکل دو تین مہینے کے اندر چند سورتوں یا رسالوں میں بعض مضامین کا اضافہ ہوا۔ اور اس کے بعد قرآن کے نزول کا سلسلہ بند ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد دنیا میں دو ڈھائی مہینے سے زیادہ نہ رہے۔ معاً خلافتِ صدیقی کا زمانہ آ گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحف کے متعلق مصحف بنانے کی تجویز پیش کی۔ یعنی تمام رسالوں کو جمع کر کے ایک جلد میں ان کی شیرازہ[1] بندی کرا دی جائے۔ لوگوں کو یہاں بھی مغالطہ ہوا اور مشہور کر دیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر مکتوب قرآن کو مکتوبی شکل میں لانے کی درخواست دی تھی، گویا اس سے پہلے قرآن لکھا ہوا نہ تھا، کس قدر عجیب ہے ایک طرف لوگ یہ بھی کہے جاتے ہیں اور اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول کے ساتھ ہی قرآن کو لکھوا دیا کرتے تھے اور دوسری طرف یہ بھی سنا جاتا ہے

[1] اس واقعہ کی یہ میری کوئی نئی تعبیر نہیں خطابی لکھتے ہیں حولانی ما بین الدفتین (یعنی دونوں دفتیوں کے درمیان تمام سورتوں کو منتقل کر دیا) سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ جمعہا جامع وربطہا بخیط (جمع کرنیوالے نے تمام سورتوں کو اکٹھا کر کے ایک تاگے میں باندھ دیا) ٭

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی دفعہ غیر مکتوب قرآن کے لکھوانے کی درخواست دی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا قرآن کیا عہد نبوت میں لکھے ہوئے قرآن کل، یا اس کی بعض سورتیں کن کن صحابیوں کے پاس تھیں اگر ان کی فہرست بنائی جائے تو غالباً سینکڑوں تک پہنچ سکتی ہے۔

ماسوا اس کے سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خود لکھنا جانتے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ سے ان کو کہنے کی کیا ضرورت تھی اس سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم التزاماً کرتے تھے، یعنی قرآن کو فوراً لکھوا لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کام کے متعلق کہتے ہیں کہ میں اس کام کو کیسے کروں، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔

غلطیہائے مضامین مت پوچھ

اتنی کھلی کھلی باتیں اس حدیث میں موجود ہیں لیکن لوگوں نے غور نہیں کیا کہ اصل معاملہ کیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحف کو مصحف کی شکل میں لانے پر اصرار فرمارہے تھے، تاکہ تمام قرآنی رسالے جمع ہو کر مجلد شکل میں محفوظ ہو جائیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ان مختلف سورتوں یا دوسرے لفظوں میں مستقل رسالوں کو عموماً ایسی ٹھوس مختلف تقطیع کی چیزوں پر لکھوایا تھا کہ شیرازہ بندی کر کے کسی ایک جلد کی شکل میں ان کا لانا آسان نہ تھا۔ بلکہ ناممکن تھا حضرت عمرؓ کی جو غرض تھی وہ یوں ہی حاصل ہو سکتی تھی کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی وثیقوں کو ایک تقطیع پر نقل کرایا جائے اور اس کے بعد ان سب رسالوں کی ایک جلد بندھوالی جائے۔

ظاہر ہے کہ اس کام کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود یا اپنے زیر انتظام انجام دلا سکتے تھے، لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اس کام کو حکومت اپنے ہاتھ میں لے اسی لئے انھوں نے اپنی تجویز حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے جواب میں اسی کو نئی بات قرار دے رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو جس معاملہ میں انفرادی آزادی کی حالت میں چھوڑا ہے میں اس میں کیسے دخل دوں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار سے مصلحت ان کی سمجھ میں آگئی اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا کتابت وحی کے سلسلے میں سب سے زیادہ ممتاز درجہ تھا، سلطنت کی طرف سے ان کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ ایک شاہی نسخہ حکومت کی جانب سے قرآن کا مرتب کر کے بارگاہ خلافت میں پیش کریں، حالانکہ حضرت زید خود کاتب وحی تھے۔ پورے قرآن کے حافظ تھے، عالم تھے، خالص عربی النسل تھے، لکھنے پڑھنے سے ان کو ایسی فطری مناسبت تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے خط وکتابت کرنے کے سلسلہ میں چاہا کہ حضرت زید عبرانی حروف سیکھ لیں تو بیان کیا جاتا ہے کہ کل پندرہ دن میں وہ اس پر اتنے قادر ہو گئے کہ بآسانی اس میں لکھنے پڑھنے لگے، ایسی صورت میں بظاہر قرآن کی سورتوں کے مساوی تقطیع کا ایک نسخہ نقل کر لینا کچھ زیادہ دشوار نہ تھا لیکن باوجود اس کے چونکہ قرآن کا معاملہ تھا اور وہ بھی یہ کام خلافت کی جانب سے ہو رہا تھا جس کا اثر تمام قیامت تمام مسلمانوں پر پڑنے والا تھا اسلئے حزم واحتیاط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جتنی ممکنہ شکلیں ہو سکتی تھیں سب کو پیش نظر رکھکر انھوں نے اس کام میں ہاتھ لگایا، اپنی ذمہ داریوں کے احساس کا اظہار خود ان لفظوں میں فرماتے تھے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ فو اللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی۔ خدا کی قسم اگر لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ اس سے زیادہ گراں نہ ہوتا جتنا کہ وہ حکم جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے متعلق دیا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلہ میں کن کن نزاکتوں کا التزام فرمایا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان سورتوں میں سے جس سورت کا کچھ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے ریکارڈ سے نقل فرمالیتے تو کتابی مقابلہ کے سوا ان کا یہ التزام تھا کہ ایک ہی آدمی سے نہیں بلکہ وہ حصہ جن جن لوگوں کو یاد ہوتا ان کو بھی سنا کر اور دکھا کر اس کی توثیق لازمی طور پر کرا لیتے، کم از کم اس کیلئے ایک سے زائد آدمی کا ہونا ان کی ضروری شرط تھی۔ بخاری میں اسی کی تعبیر انھوں نے (صدور الرجال) سے کی ہے اور بحمداللہ اس میں ان کو ایسی زبردست کامیابی ہوئی کہ (۱۱۴) سورتوں یا رسالوں میں صرف دو جگہ بجائے ایک سے زائد کے ایک ہی صحابی حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توثیق پر انھوں نے قناعت کی اور اس قناعت کی وجہ بھی خود ہی یہ بیان فرماتے ہیں۔ الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادتہ شہادۃ رجلین (بخاری) یعنی وہی خزیمہ جن کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے مساوی قرار دیا تھا۔

مطلب یہ تھا کہ اپنی اس شرط سے ان دو مقاموں میں اگر وہ ہٹے بھی تو اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے وہ ایک توثیق ہی بمنزلہ دو توثیقوں کے تھی[1]۔ بہرحال ان دو مقاموں میں سے ایک تو سورہ برات کا خاتمہ لقد جاءکم رسول الآیت اور دوسری آیت سورہ احزاب کی من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ الآیت ہے بلکہ پچھلی آیت کے متعلق اگر بعض روایتوں کا یہ لفظ یعنی " فقدت " راوی کی کوئی تعبیری غلط فہمی نہیں ہے تو اس آیت کی نوعیت پہلے سے کچھ مختلف ہو جاتی ہے جیسا کہ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے ریکارڈ کے ذخیرہ سے کوئی تختی غائب ہوگئی ہو حالانکہ حضرت زید خود بھی حافظ تھے اور خاصکر اس آیت کے متعلق تو ان کی تصریح ہے کہ کسی غیر سے نہیں بلکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر انھوں نے اس کو یاد کیا تھا جیسا کہ فرماتے ہیں کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرءھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا تھا۔

لیکن وہی مزید احتیاط کہ کتابی مقابلہ بھی اس کا کر لینا چاہئے اسلئے چاہا کہ جس کے پاس یہ سورۃ لکھی ہوئی ہو مقابلہ کر لیا جائے۔ اتفاق سے حضرت خزیمہ ہی کے پاس وہ نکل آئی۔ ان کی شہادت کو تو دو شہادتوں کے مساوی خیال ہی کرتے تھے اس لئے

---

[1] یہ قصہ طلب بات ہے، ابوداؤد و نسائی میں اسکی تفصیل موجود ہے ایک اعرابی سے بیع کا معاملہ تھا اس نے خلاف عہد کرنا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گواہ طلب کیا حضرت خزیمہؓ نے اس وقت گواہی دی اور دربار نبوت سے ذوالشہادتین کا خطاب ملا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی پر قناعت کرلیا۔ اور آگے کسی دوسرے کے لکھے ہوئے نسخہ سے مقابلہ کی ضرورت محسوس نہ فرمائی۔ واقعہ کی مکمل نوعیت اتنی ہے مگر جن کی نیتوں میں فساد تھا یا ہے، بخاری کی اس روایت میں اپنے دل کے وسوسوں کو شریک کرکر کے انھوں نے خدا جانے کیا کیا نتائج پیدا کئے ہیں۔ روایت میں جو چیز نہ ہو اس کو اپنے دماغ سے تراش تراش کر جو واقعہ کی تصویر کھینچتے ہیں وہ واقعہ کی نہیں بلکہ ان کے بداندیش دل کی تصویر ہوتی ہے اور انسان اس کے پیچھے کہاں تک پڑ سکتا ہے ہماری کتابوں میں جو کچھ ہے، بے کم و کاست ہم نے مسلمانوں کے سامنے پیش کردیا ہے، انشاءاللہ ان کے اطمینان کیلئے یہ کافی ہے، اسی لئے اس بحث کو ختم کرکے اب میں اس سوال پر آتا ہوں، کہ خلافت صدیقی میں قرآنی سورتوں کی جلد بندی میں جو موجودہ ترتیب قائم کی گئی یعنی سب سے پہلے فاتحہ پھر بقرہ پھر آل عمران الغرض الناس تک ان رسالوں کو جو اس ترتیب سے رکھا گیا، کیا صحابہؓ کے سامنے کوئی نبوی نمونہ بھی اس کا موجود تھا۔

اگرچہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے، مادی طور پر اس سوال کی چنداں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کسی ایک مصنف کی چند تصنیفوں کو آدمی جس طرح چاہے جلد بندی کرا سکتا ہے؛ واقعات پر اس کا نفیاً و اثباتاً کوئی اثر نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک شخص نے جب یہی بات پوچھی تو آپ نے بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں دی اور فرمایا ما یضرک ایہ قرأت (بخاری)[1] جس ترتیب سے ان سورتوں کو پڑھو کچھ حرج نہیں۔

لیکن ہاں ہم جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ کام حکومت کی جانب سے انجام دیا گیا، ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر خلفاء کے حکم سے انجام دیا گیا۔ اور اتنی احتیاط اتنی نزاکت سے انجام دیا گیا جس کا حال حضرت زیدؓ کی زبانی ہم سن چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاً وفات کے ساتھ ہی یہ کام ایسے وقت میں کیا گیا کہ حضورؐ کے تمام صحابہ کرامؓ ابھی زندہ ہیں اور اسی کے ساتھ ہم بیان کرچکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علاوہ عام ورد کے التزاماً ہر سال حضرت جبریلؑ کو پورا قرآن سناتے تھے۔ اور آخر میں دو دفعہ سنایا، ظاہر ہے کہ ضرور کوئی خاص ترتیب ہی سے حضور پورا قرآن سناتے ہوں گے، کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ صحابہؓ اس ترتیب سے ناواقف ہوں، جو لوگ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت و سکون کی نگرانی ہی کیلئے جیتے تھے یہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔ کوئی باور کرسکتا ہے کہ قرآن مجید ہی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ کے اس طرز عمل سے جو ہر سال انجام پاتا تھا صحابہؓ نے غفلت برتی،

یقیناً ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ بھی ضرور موجود تھا۔ اور اسی نمونہ کی پیروی قرآنی سورتوں کی

---

[1] لیکن چونکہ پھر بھی اس کی حیثیت ایک واحد خبر کی ہے اور سورتوں کی موجودہ ترتیب بتواتر ثابت ہے مسلمانوں کا اس پر اجماع ہوچکا ہے اس لئے علماء نے بجز تعلیمی اغراض کے اس ترتیب کے بدلنے کی اجازت نہیں دی ہے . . . . . . اور یہی مسلمانوں کا وہ اصول ہے جس کی تحت میں بحمداللہ قرآن من و عن اسی شکل میں ہر جگہ موجود ہے جس شکل میں یہ ہمیں ملا ہے۔

© rasailojaraid.com

جلدبندی یا مصحف بنانے میں کی گئی۔ بہرحال عہد خلافت صدیقی کا یہی شاہی نسخہ تھا جو مصحف کی شکل میں تیار ہوا۔ اور گو عام مسلمانوں کی انفرادی آزادی میں اس وقت دخل نہ دیا گیا۔ تاہم پورے قرآنی رسالوں کو باحتیاط تمام جلد بند ہوا کر حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت میں رہا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان کی تحویل میں رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس تھا کہ عہد عثمانیؓ میں صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ اب اسی شاہی نسخہ کی عام اشاعت کی جائے، تب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے باضابطہ ایک خاص سررشتہ کی نگرانی میں اس کی متعدد نقلیں کرائی گئیں۔ اس سررشتہ کے افسر اعلیٰ بھی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی دفتر سے حضرت عثمانؓ نے ہر صوبہ میں ایک ایک نسخہ اپنے گورنروں کو بھیج کر فرمان جاری کردیا کہ مصحف یعنی مجلد بنانے میں عام مسلمان اسی کی پیروی کریں۔ نیز مختلف قبائل اور نومسلم قوموں کی وجہ سے لہجہ کا جو اختلاف ہوگیا تھا۔ حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ یعنی قریش کے لہجہ پر یہ لہجہ لکھوایا گیا ہے۔ اسلئے آئندہ اسی لہجہ کی مسلمان پابندی بھی کریں بلکہ شاید یہی فرمان ایک مستقل فن قراۃ وتجوید کی بنیاد بن گیا۔ الحمدللہ اس وقت تک اسی لہجہ میں پڑھنے والے اور پڑھانے والے کروڑوں کی تعداد میں ہر اسلامی ملک میں موجود ہیں۔ یہ ہے مختصر داستان قرآن کی کتابت اور اس کی آیات وسور کی ترتیب کی جس میں بجز بخاری کی مشہور روایت کے کسی کمزور ضعیف ہوائی روایت سے قطعاً نفع نہیں اٹھایا گیا ہے اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بخاری کی اس روایت کے الفاظ کا صریح مفاد ہے جس کا جی چاہے میرے بیان کو اس حدیث پر پیش کرکے اپنا اطمینان کرسکتا ہے ✣

(باقی)

محدث کی شان میں

(از جناب بدرالحسن صاحب سہسوانی)

مبارکباد دیتا ہے یہ احقر — خدا ہے تجھ پہ حفاظل گستر
تری وہ شان ہے اللہ اکبر — کہ حق گوئی سے تو ہے حق کا دلبر
عدیم المثل ہیں تیری ادائیں — ترا ہر لہجہ ہے واللہ خوشتر
تجھے بخشی ہے حق نے ایسی قوت — عدو کے حق میں حقانی ہے خنجر

یہی بدرالحسن کی بس دعا ہے
چمکتا تو رہے تا روز محشر